سماجی تبدیلی، معیشت اور انسانی اختیار

شاہدِ رعنا (۱۸۹۶ء) از سرفراز عزمی کا مطالعہ

محمد نعیم

اسسٹنٹ پروفیسر اردو، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا

SOCIAL MOBILITY

ECONOMICS AND HUMAN AGENCY

Muhammad Naeem

Assistant Professor of Urdu

University of Sargodha

Abstract

Sorokin coined the idea of Social space to determine the social status of a person. This theme is useful in analyzing the relative position of a person in one's group and one's horizontical or vertical movement within and to other groups. Novel is a symbolic space, which makes possible for writers to construct the relative social status of characters. The position given to a character and his/her mobility may be studied in light of Sorokin's ideas. It helps us in understanding the role of economy in achieving the agency implied by the social mobility.

Keywords: Pitirim A. Sorokin, social position, novel, Sarfraz, Azmi, male discourse, Urdu, descending, ascending, acceptability

کسی انسان کی سماجی حیثیت کا تعین کرنے کے لئے سوروکن (Pitirim A. Sorokin) نے سماجی کائنات کا تصور پیش کیا، جس کی مثال طبعی کائنات کی سی ہے۔ اس میں کسی شخص کی حیثیت کا تعین دیگر انسانوں اور انسانی گروہوں سے اس کے تعلق کی نسبت سے ہوتا ہے، جیسے طبعی مظاہر کے مقام کا تعین دیگر مظاہر کی نسبت سے ہوتا ہے۔ سماجی کائنات پوری دنیا کے انسانوں اور انسانی گروہوں پر مشتمل ہے۔ گروہوں کے مرتبے کا تعین دیگر گروہوں سے تقابل کے ذریعے ہوگا۔ اور کسی گروہ میں ایک انسان کے مرتبے کا تعین دیگر انسانوں سے اس کے تعلق کی نوعیت کرے گی۔ کسی انسان کی حیثیت، اس کی متعلقہ آبادی کے تمام گروہوں سے اس کے تعلق، اور اس آبادی کے دیگر اراکین سے اس کے رشتے کی نوعیت پر منحصر ہے۔ کسی انسان کی اس کائنات میں سماجی حیثیت انھی تعلقات سے اخذ ہوتی ہے۔ ان گروہوں کے اجتماع اور ان کے اندر موجود اراکین کی کلیت سے سماجی روابط کا ایک نظام وضع ہوتا ہے، جو ہمیں کسی انسان کی سماجی حیثیت متعین کرنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ مماثل سماجی گروہ، اور کسی سماجی گروہ میں یکساں حیثیت کے حامل مختلف جغرافیوں اور آبادیوں میں تعلق رکھنے والے ایک ہی 'سماجی مقام' (Social Position) سے تعلق رکھتے ہیں۔

سماجی کائنات کی دو بنیادی سمتیں بیان کی گئی ہیں۔ افقی، عمودی۔ افقی سمت طے کرتی ہے کہ انسان کا تعلق، کس سماجی گروہ (اشراف، مزدور، کسان، سیاست دان، صنعت کار) سے ہے، اور عمودی سمت طے کرتی ہے کہ اس خاص سماجی گروہ کے اندر انسان کی حیثیت کون سی ہے۔ جیسے ایم پی اے، صوبائی وزیر اور وزیر اعلیٰ ایک ہی سماجی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں، تاہم عمودی طور پر ان کی پوزیشن میں فرق ہے۔ یہ تصور سماجی تبدیلی کی دو صورتوں اور دو ہی نوعیتوں کو سامنے لاتا ہے۔ ایک سے دوسرے گروہ میں تبدیلی، اور گروہ کے اندر مرتبے میں آنے والا فرق۔ ایک سے دوسرے گروہ میں ایسا تحرک، جس میں مرتبہ تبدیل نہ ہو، اسے افقی تحرک (Horizontal)، اور ایسا تحرک جو مرتبے میں فرق لائے اسے عمودی (Vertical) کہا جاتا ہے۔ عمودی تبدیلی بہتری (Ascending) اور کہتری (Descend) کی حامل ہو سکتی ہے۔(۱)

سرفراز عزمی کا ناول شاہدِ رعنا سماجی تبدیلی کو تفصیل سے پیش کرتا ہے۔ کسی ایک فرد کی اپنے گروہ کے اندر حیثیت کس طرح تبدیل ہوتی ہے، یہ ناول کے مرکزی کردار، ننھی سے واضح ہوتا ہے۔ اس کردار کے تجزیے سے واضح ہوتا ہے کہ کسی خاص سماجی گروہ کے اندر رہتے ہوئے، فرد کس طرح تبدیلی کے عمل سے گزرتا ہے۔

اردو میں متکلم راوی کی تکنیک میں ناول لکھنے کا رواج انیسویں صدی کی آخری دہائی میں ہوا۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ اسی دہائی کے اختتام تک امراؤ جان ادا جیسا کامیاب تجربہ اس تکنیک میں سامنے آ گیا۔ محض ایک عشرے میں اس تکنیک کو کامیابی سے نبھانا جہاں رسوا کی فن کاری کا ثبوت ہے، وہیں یہ اس روایت کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے، جس میں رسوا کے لیے یہ ممکن ہوا۔ متکلم راوی پر مبنی اس ناولانہ روایت کی موجودگی نے رسوا کو وہ پختگی عطا کی، جو کسی تکنیک کے بلوغت تک پہنچنے کے لیے درکار ہوتی ہے۔ اسی تکنیک کا ایک کامیاب تجربہ افسانۂ نادر جہاں (۱۸۹۴) ہے۔ ہماری نظر میں دوسرا قابلِ ذکر تجربہ شاہدِ رعنا (۱۸۹۶) ہے، جس نے متکلم راوی کی تکنیک کو بڑی سہولت سے نبھایا ہے، اتنی خوبی سے کہ امراؤ جان ادا کو اس سے ماخوذ بتایا گیا، حالاں کہ سوائے تکنیک کی مماثلت اور طوائف کے مرکزی کردار ہونے کے ہمیں اور کوئی یکسانیت دونوں میں نہیں ملی۔ ننھی نامی طوائف کی زبانی یہ ناول طوائف کے لڑکپن سے ادھیڑ عمری تک کا قصہ ہے، جو اس کی توبہ کے بعد نکاح، میاں کے ساتھ گھر گرہستی سنبھالنے اور حج کر کے ایک پرسکون تائب زندگی گزارنے پر منتج ہوتا ہے۔

ناول کے ابتدا میں ننھی بتاتی ہے، اس کی تشہیر اور اس کے گاہک پیدا کرنے کے لیے کسی طوائف کے مجرے میں اسے بھی ساتھ لے جایا جاتا تھا۔ یہاں وہ خود کو سادہ لوح کم سن لڑکی بتاتی ہے، جسے بات بات پر نائکہ اور استاد جی سمجھاتے ہیں۔ اپنی کم عمری کے سبب وہ گیگلی ہے، اور کوئی تعریف کرے تو دل کو پھسلنے سے نہیں روک پاتی۔ اسے نائکہ اور استاد جی نصیحت کرتے ہیں کہ فرمائش کرے، تاہم وہ نہیں کر پاتی۔ اس کی حیثیت بہت کمزور ہے جہاں کچھ بھی وہ اپنی مرضی سے نہیں کر سکتی، دل تعریفیں سن کر کھنچتا ہے، تو وہ روک نہیں پاتی، جس پر اسے نائکہ کے غصے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس حصے

میں ناول جہاں ننھی کی بے اختیاری کو سامنے لاتا ہے، وہیں کیفیات کے بیان میں بڑی مہارت کا ثبوت دیا گیا ہے۔ ننھی کا تعریف سن کر لجانا، دل کی حالت کا غیر ہونا، باوجود سمجھانے کے چلتروں سے کام نہ لے پانا دکھایا گیا ہے جب کہ جوانی آنے پر تربیت اور اس کے اپنے تجربات سے مزاج اور طرز عمل میں جو تبدیلی آتی ہے، اس تفصیل کو خوبی سے بیان کیا گیا ہے۔ اس پر متکلم راوی نے جذبے کی کیفیات اور سچائی کو دوچند کر دیا ہے۔ لڑکپن اور جوانی میں پایا جانے والا فرق یوں نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے اور بڑا فطری لگتا ہے۔ ننھی کے کردار میں بامعنی اور واضح تبدیلی اس کی نتھ توڑی کے بعد آتی ہے۔ اسے صیغۂ راز میں رکھا جاتا ہے اور اس کے نام پر نواب سے اچھی خاصی رقم بھی بٹوری جاتی ہے، لیکن ننھی کی ماں پہلے ہی ایک ڈپٹی صاحب کو بڑی رقم کے عوض خوش کر دیتی ہے۔ اس واقعے کے بعد ننھی بناوٹ سیکھ جاتی ہے، اسے فرمائشیں کرنا آجاتا ہے، اور جھوٹ موٹ دوسروں کو اپنی محبت کا یقین دلانا بھی، اس کے مزاج میں شامل ہو جاتا ہے۔ سرفراز نے ان تبدیلیوں کو دکھانے کے لیے مناسب موقع ڈھونڈا ہے۔(۲)

ناول میں میر صاحب اور نواب اختر زمان ننھی سے کیے گئے وعدے بھلا دیتے ہیں۔ اس پر ننھی کا ردِعمل دکھاتا ہے کہ طوائف محض نائکاؤں کی تربیت سے نہیں، ایک حد تک تماش بینوں کے رویے سے بھی کسبی بنتی ہے۔ ننھی کا دل جن لوگوں سے ملتا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رنڈی محض روپے پیسے پر نہیں مرتی، ایک انسان ہونے کے ناتے اسے ایسے انسانوں سے دلچسپی رہتی ہے جو اس کے ہم ذوق ہوں، اس سے ہم دردی رکھتے ہوں۔ طوائف کے باقی سب تعلقات تو کاروباری ہوتے ہیں، لیکن اس کا دل انھی مردوں میں لگتا ہے جو اسے محض لذت کوشی کی کوئی چیز نہ سمجھتے ہوں۔(۳)

ننھی رحیم پور کے ایک رئیس کی خدمت میں چلی جاتی ہے، جسے وہ خوب لوٹتی ہے۔ وہاں وہ اس کی بیگموں کو نیچا دکھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتی۔ یہ اس کے مزاج میں اختیار اور اقتدار کے بڑھتے ہوئے عنصر کی طرف اشارہ ہے۔ بیانیے کے مطابق اس رئیس کے تمام انتظام کو ننھی اور اس کے کارندے تلپٹ کر دیتے ہیں۔ اس میں لوٹ کھسوٹ، اپنے خوش آمدیوں کو ملازمت پر رکھوانا اور

باصلاحیت افراد کو ناپسندیدگی کی بنیاد پر نوکری سے نکلوا دینا شامل ہیں۔نوابوں، رئیسوں اور بادشاہوں کے 'زوال' میں عام طور پر عورت اور خاص طور پر طوائف کے کردار کو دکھانا، اردو دنیا کا معروف بیانیہ ہے۔یہاں کچھ سادہ سے سوال پوچھ لینا بے موقع نہ ہوگا۔رنڈیوں نے رئیسوں کو برباد کیا، مان لیا،تو یہ رئیس اتنے احمق کیوں تھے کہ اپنا برا بھلا سمجھ نہ سکے؟ انھیں ایسی لت لگتی ہی کیوں تھی؟عورت کے ہاتھوں وہ کھلونا کیوں بنے ہوئے تھے؟ اگر وہ ایسے ہی ننھے تھے،تو پھر اس میں طوائف کا کیا ذکر انھیں احمق بنانا اور لوٹنا کون سا مشکل تھا؟ بہ جائے رئیسوں اور نوابوں کی نا اہلی کا تجزیہ کرنے، اور شاہی نظام میں موجود جھول اور کجیوں کا جائزہ لینے کے ملبہ طوائفوں پر ڈال دینا مردانہ کلامیے (Male Discourse) کا محبوب مشغلہ ہے، جو طوائف ہو یا شریف عورت سب کی اصلاح کے لیے ہر لحظہ تیار رہتا ہے، جیسے مرد تو دودھ کے دھلے ہیں، جنھیں گھڑ، نیک، پاک دامن اور باعصمت بی بیاں مل جائیں تو دنیا منقلب کر کے رکھ دیں۔

ننھی اس رئیس سے ہزاروں بٹور لیتی ہے، جس سے وہ مکان خریدتی ہے، دوکانیں بنا لیتی ہے۔اسی دوران میں اس کے ایک بیٹی بھی ہو جاتی ہے۔رئیس سے علیحدہ ہو کر دلی واپس آنے پر جب اتنا معاشی سرمایہ ننھی اکٹھا کر لیتی ہے،تو اس کے مقام و مرتبے میں بھی تبدیلی آ جاتی ہے۔کوٹھے کے باقی کارپردازوں کے مقابلے میں اس کی حیثیت مستحکم ہو جاتی ہے۔وہی ماں جو اسے پہلے بات بے بات جھڑکتی اور سمجھاتی رہتی تھی، اب اس کی حاکمیت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ننھی پہلے ہر بات میں اپنی ماں اور استاد جی سے دبتی تھی، لیکن اب دو ایک معمولی لڑائیوں میں ہی وہ اپنے اختیار کے ساتھ اقتدار کو بھی جتا دیتی ہے،تو دونوں بڈھا بڑھیا اس کی حیثیت تسلیم کر لیتے ہیں، ننھی بیان دیتی ہے کہ اس اختیار پر اسے سرور آنے لگا۔(۴)

کسی ایک گروہ کے اندر رہتے ہوئے فرد کی سماجی حیثیت کیسے تبدیلی کے عمل سے گزرتی ہے، ناول کے پلاٹ سے یہ بہ خوبی واضح ہے۔وہ جسے ننھی گینگلی سمجھتے ہوئے، سب سکھانے پڑھانے پر ہر وقت تیار رہتے تھے، جو اپنی مرضی سے نہ فرمائش کر سکتی تھی، نہ ہنس بول سکتی تھی، یعنی اس کا اختیار بھی

بہت حد تک مسلوب تھا، اب اپنی کاوشوں سے معاشی سرمایہ اکٹھا کر کے اس قابل ہوگئی ہے کہ دوسروں پر اپنی حیثیت جتا سکے۔ یہ وہ سفر ہے جس میں اختیاری اقتدار لے کر آیا ہے۔ اس مرحلے کے بعد ننھی کوٹھے کی مقتدر ہستی بن جاتی ہے، جہاں ہر معاملہ اب اس کی مرضی کے مطابق طے پاتا ہے۔ اس کا اپنی زندگی پر اختیار بھی کاملیت کی حدوں کو چھو رہا ہے اور دوسروں پر اقتدار بھی قائم ہوگیا ہے۔ اسے 'سورکن' کے لفظوں میں بہتری کہا جاسکتا ہے، ایسی تبدیلی جس میں فرد کی حیثیت مرتبے کے اعتبار سے ترقی کر جاتی ہے۔ اس ترقی کے باوجود سرفراز ننھی کے کردار میں ایک کسک دکھاتے ہیں۔ وہ سرور جو اپنی حاکمیت کے قائم ہونے پر اس کی شخصیت کا جزو بن گیا، تا دیر قائم نہ رہ سکا۔ وہ کوشش کرتی ہے کہ کوئی ایسا جیون ساتھی مل جائے، جس کی نظر اس کی دولت پر نہ ہو، بل کہ جو زندگی کے دکھ سکھ میں اس کے ساتھ کھڑا ہو، جو اس سے قلبی تعلق قائم کرے۔ باوجود معاشی اور اختیاری اقتدار، سرفراز دہلوی ننھی کے دل میں گھر بیٹھنے کی کسک دکھاتے ہیں۔ ایک کش مکش ہے جو اس تبدیلی کے باوجود اس کے اندر چل رہی ہے۔

ننھی کی زبان سے سرفراز اُن مشکلات کو بیان کرتے ہیں، جو نکاح کے بعد طوائف کو پیش آسکتی ہیں، یہاں بڑی وضاحت سے بہو بیٹی اور طوائف کی الگ الگ دنیاؤں کا فرق دکھایا گیا ہے۔ طوائف بہو بیٹی بننے کی کوشش کرتی ہے، تو اپنی تربیت اور طرزِ زندگی کے باعث بعض عادتیں چھوڑ نہیں پاتی، بیانیے کے مطابق یہی عادتیں اسے گھر کی دنیا میں ناکام کر دیتی ہیں۔ مثلاً کوٹھے پر طوائف کی زندگی میں اختیار اور آزادی ہوتی ہے، وہ بہو بیٹی کی پابند دنیا میں قدم رکھتی ہے، تو ہر معاملے میں قید اس کے لیے وبال بن جاتی ہے۔ معاشی تنگ دستی کے زمانے میں بہو بیٹیاں گھر کے معمولی کام کرنے میں عار محسوس نہیں کرتیں، تاہم طوائف یہ نہیں کر پاتی۔ میاں کی تنگ دستی دور کرنے کے لیے بیوی اپنا زیور تک گروی رکھ دیتی ہے، طوائف کے لیے اپنی 'محنت' سے بنائے ہوئے سرمائے کے ضمن میں ایسا کرنا مشکل ہے۔ ننھی کی نظر میں یہ سب مشکلات رہتی ہیں، تاہم وہ خود اختیاری طور پر فیصلہ کرتی ہے کہ اس نے گھر بسانا ہے، اب سوال رہ جاتا ہے صحیح آدمی کی تلاش کا، ایسا آدمی جو فریبی نہ ہو، جس کی نظر اس کی

دولت پر نہ ہو، تو ناول کا ہی ایک کردار مرزا جو اس کے پرانے جاننے والوں میں ہے، اس حوالے سے ایک معقول انتخاب نظر آتا ہے۔ دونوں میں خط کتابت ہوتی ہے، جس میں دونوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے، اسی دوران ننھی بھی پرکھ لیتی ہے کہ مرزا اس میں دل چسپی کسی اور وجہ سے نہیں لے رہا، نہ اس کی نظر میں لالچ ہے، ننھی تائب ہو کر مرزا سے نکاح کر لیتی ہے۔ ایک مولوی صاحب کے سمجھانے پر وہ اپنی دولت کا بڑا حصہ یتیم خانے اور ہسپتال کے ایک وارڈ کے لیے مختص کر دیتی ہے۔ وہ تاکید کرتی ہے کہ یتیم خانے میں طوائفوں کے ناجائز بچے پالے جائیں تا کہ طوائفوں میں بچوں کی کفالت کے خوف سے قتل کرنے کا جو منفی رجحان پایا جاتا ہے، اس میں تخفیف ہو سکے۔ اسی طرح ہسپتال کا وارڈ بھی وہ خاص طوائفوں کے لیے وقف کرتی ہے تا کہ ان کو جو علاج کی مناسب سہولتیں میسر نہیں، ان کا سدباب ہو سکے۔

ننھی کا یہ عمل سماجی تبدیلی میں اختیار اور ثقافتی اقدار کے تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ زندگی جس میں اب معاشی خوش حالی بھی نہیں ہے، اور آزادہ روی بھی حدود کی پابند ہو گئی ہے، ننھی نے خود چنی ہے۔ یہاں اصلاحی رجحان کے تحت یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مصنف نے یہ انتخاب کروایا ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے، تو بھی یہ دیکھنا چاہیے کہ ناول میں ننھی کا یہ عمل اپنے اختیار کو استعمال کرنے کی صورت سامنے آیا ہے، سو یہ تبدیلی اگر معاشی اعتبار سے کہتری (Descending) ہے، تو سماجی اعتراف (Acceptability) کے اعتبار سے بہتری (Ascending) ہے۔ تبدیلی کی تعبیر اس تناظر سے ہو رہی ہے جس سے دیکھنے والا اس کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ زمین کا دایاں ہے نہ بایاں، کسی مقام کو مرکز مان کر ہی دایاں بایاں متعین ہوتا ہے یہاں بھی تبدیلی کا عمل تو طے شدہ ہے، تاہم اس کی سمت کا تعین اس تناظر کا مرہون ہے جس کی روشنی میں اسے سمجھا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے و حواشی

1.Pitirim A. Sorokin, *Social and Cultural Mobility* (New York: Free Press, 1959), pp1-4.

(۲) سرفراز حسین دہلوی، شاہدِ رعنا (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۰ء [۱۸۹۶ء])، ص ص ۷-۱۰۳۔

(۳) یہاں طوائف کے کردار میں موجود عورت اور رنڈی کے بہروپ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ رنڈی کے تعلقات مبنی بر مفاد ہیں، تاہم طوائف کو اس کردار تک محدود سمجھنا، اس میں موجود انسان کے پہلو کو رد کرنا ہے۔ نخی کے بیانات اور طرزِ عمل دونوں دکھاتے ہیں کہ وہ خوش انھی مردوں میں رہتی ہے جو اسے یا اس کے ہنر کو پسند کرتے ہیں۔ تفصیل دیکھیے: سرفراز عزمی دہلوی، شاہدِ رعنا، ص ۱۳۷؛ امراؤ جان ادا کے کردار میں بھی حیا کا عنصر موجود ہے۔ شانڈلیا نے اس طرف اشارہ کیا کہ رسوا کے ناول میں طوائف، پردہ نشین خاتون کا متقابل (Other) بن کر سامنے آتی ہے اور وہ حیا اور شرم جیسی صفات کا، جو پردہ نشین شریف عورتوں سے مخصوص ہیں، مظاہرہ کرتی ہے۔ طوائف کے لیے نسائیت کا یہ اظہار اپنی سماجی اور تاریخی صورتِ حال میں عمل پذیر ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:

Krupa Kirit Shandilya, "Sacred Subjects: Gender and Nation in South Asian Fiction." (PhD Diss., Cornell University, 2009).

(۴) سرفراز حسین دہلوی، شاہدِ رعنا، ص ۱۳۶۔